Volume 02, Issue 03,
October-December 2024
PP: 174-182
Open Access on:
www.alimanjournal.com

AL-IMAN Research Journal
P-ISSN: 3006-1261 E-ISSN: 3006-127X

اردو واسوخت بنیادی مباحث اور چند اہم شعراء

Basic Discussions of Urdu Wusūk̲ht and Some Important Poets

Dr. Mahmood-ul-Hassan[1] Sajida Sultana[2]

Article History

Received
28-11-2024

Accepted
12-12-2024

Published
23-12-2024

Abstract & Indexing

Abstract

Wusūk̲ht is a distinctive genre of Urdu poetry that captures the emotions of lovers confronting the unfaithfulness and oppressive attitudes of their beloveds. Traditionally, Urdu poetry often glorifies the themes of unrequited love and the lover's acceptance of pain as a noble act. However, Wusūk̲ht deviates from this norm by offering a bold and candid response to emotional neglect and betrayal. When the beloved's indifference surpasses tolerable limits, the lover discards their usual shyness and humility choosing instead to articulate their grievances with raw honesty.

This article examines the origins, evolution, and thematic nuances of Wusūk̲ht in Urdu literature. It explores how this genre carved a unique identity within Urdu poetry, distinct from the prevalent romantic and mystical traditions. Furthermore, prominent examples of Wusūk̲ht by renowned poets such as Ḥaidar ʿAlī Ātish, Momīn Khān Momīn and Mīr Taqī Mīr are discussed to illustrate its stylistic and emotional depth. By analyzing these works, the study sheds light on how Wusūk̲ht serves as a medium for expressing defiance and reclaiming agency in the face of emotional exploitation.

Through a detailed exploration of its historical and literary significance, this article highlights the enduring relevance of Wusūk̲ht in reflecting the complexities of human relationships and the shifting dynamics of love and betrayal in Urdu poetry.

Keywords

Wasokht, Urdu Poetry, Unfaithfulness, Emotional Neglect, Betrayal, Defiance, Human Relationships.

[1]*Assistant Professor, Department of Urdu, NUML, Islamabad.*
mhhassan@numl.edu.pk
[2] *PhD Scholar, Department of Urdu, NUML, Islamabad.*

All Rights Reserved © 2023 This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

HIRA INSTITUTE of Social Sciences Research & Development

OPEN ACCESS

واسوخت اردو شاعری کی صنف ہے۔ جس میں محبوب کو اس کے ظلم و ستم اور بے وفائیوں کا احساس دلایا جاتا ہے۔ اگرچہ عموماً عاشق اپنے معشوق کے جور و ستم کو خوش دلی سے برداشت کرتا ہے لیکن جب کبھی محبوب کا ظلم حد سے بڑھ جاتا ہے تو پھر عاشق اپنی عاجزی وانکساری کو بالائے طاق رکھ کر معشوق کو کھری کھری سنا دیتا ہے۔ اس مقالے میں اردو واسوخت، آغاز وارتقاء کی بنیادی مباحث اور واسوخت لکھنے والے چند شعراء کا مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔

واسوخت اردو شاعری کی اہم صنف ہے۔ جس میں محبوب کو اس کے ظلم و ستم اور بے وفائیوں کا احساس دلایا جاتا ہے۔ عشق کی نگری میں عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ عاشق معشوق کے جور و ستم اور لاپروائیوں کو خوشی سے برداشت کرتا ہے۔ وہ محبوب کی رضا کی خاطر ہر قسم کی قربانی دینے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ عاشقوں کے ہاں معشوق کی خوشنودی کے لیے جان کی بازی لگانا معمولی کام ہے اور وہ اس کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔ بقول تابش دہلوی:

وہ جوئے شیر ہو یا جوئے خوں دونوں برابر ہیں
کہ ان دونوں کو جاری تیشۂ فرہاد کرتا ہے

معشوق کا التفات ہی عاشق کا مقصد حیات ہوتا ہے لیکن جب کبھی عاشق کی تمام تر محنتوں اور کاوشوں کے باوجود محبوب اثبات میں جواب نہیں دیتا تو اس کا دل ٹوٹ جاتا ہے۔ اگرچہ عشق کرنے والے صابر ہوتے ہیں مگر کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب عاشق اپنی تمام عاجزی وانکساری کو بالائے طاق رکھ کر معشوق کو کھری کھری سنانے پر مائل ہو جاتا ہے۔ شاعر ہونے کی صورت میں عاشق اپنے دل کے پھپھولے شعروں میں ہی پھوڑے گا۔ بس اس کا نام واسوخت ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں واسوخت کے لغوی واصطلاحی مفہوم پر روشنی ڈال لی جائے تاکہ اردو ادب کا قاری "واسوخت" کے پس منظر سے بے خبر نہ رہے۔ "واسوخت" فارسی زبان کا لفظ ہے۔ لسانی مباحث کے اعتبار سے یہ "واسوختن" کا ماضی ہے۔ "واسوختن"، "وا" اور "سوختن" کا مرکب ہے۔ اس لیے اس کا مفہوم "سوختن" سے قطعی طور پر الگ نہیں کیا جا سکتا۔ "سوختن" کے لغوی معنی جلنا بھی ہے اور جلانا بھی۔ گویا لازم بھی آتا ہے اور متعدی بھی۔[1] اگر ہم اس لفظ کو اردو ادب کی صنف "واسوخت" کے تناظر میں دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے لغوی اور اصطلاحی معنوں میں معمولی فرق ہے۔ فرہنگ عامرہ میں "واسوخت" کے اصطلاحی معنی وہ نظم کہ جس میں محبوب سے اظہار بیزاری ہو[2] کے ہیں۔ غیاث اللغات میں خان آرزو کی معروف تالیف چراغ ہدایت کے حوالے سے واسوختن کے اصطلاحی معنی بیزار شدن واعراض وروگردانی کردن از معشوق[3] تحریر کیے گئے ہیں۔

متذکرہ بالا لغات میں "واسوخت" کے جو معنی لکھے گئے ہیں ان کا اصل ماخذ "چراغ ہدایت" ہے جو سراج الدین خان آرزو کی تالیف ہے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ لغت نگاروں میں سب سے پہلے خان آرزو نے ہی واسوخت کے اصطلاحی معنی لکھے ہیں اور اس کے بعد آنے والی لغات مثلاً فرہنگ آصفیہ، نور اللغات، فیروز اللغات وغیرہ میں چراغ ہدایت کے معنوں کو ہی دہرایا جاتا رہا ہے۔ فارسی کی لغات میں واسوختن کے معنی تو ملتے ہیں لیکن "واسوخت" کے حوالے سے یہ تفصیل نہیں ملتی کہ یہ باقاعدہ کوئی صنف سخن ہے جبکہ اردو ادب میں "واسوخت" کا تذکرہ بطور صنف کئی جگہ ہوتا ہے۔

واسوخت نے اٹھارویں صدی میں کافی شہرت حاصل کی۔ اس میں شاعر محبوب کی بے توجہی، بے وفائی، جور و ستم اور بے رخی سے تنگ آکر اس سے شکوے شکایات کرتا ہے۔ عشق کے آداب کو پس پشت ڈالتے ہوئے محبوب سے غصے کا اظہار کرتا ہے۔ اس کی بے اعتنائیوں پر کڑھتا ہے اور اسے جلی کٹی سناتا ہے، بلکہ اسے چھوڑ کر کسی اور سے دل لگانے کا ذکر بھی کرتا ہے۔ ان سب باتوں کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ محبوب کو

احساس دلائے کہ وہ اپنے عاشق کے ساتھ اچھا نہیں کر رہا اور یوں وہ محبت و دلداری پر دوبارہ راضی ہو جائے۔ رام بابو سکسینہ "واسوخت" کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "واسوخت" نظم کی وہ قسم ہے جس میں عاشق اپنے معشوق کی بے وفائی، ظلم و ستم، رقیب کے ساتھ بے جا محبت اور جدائی کی مصیبت و تکلیف کی شکایتیں کرتا ہے گویا معشوق کو دھمکاتا ہے کہ اگر اس کا طرز تغافل اور ستم شعاریاں اس طرح باقی رہیں تو پھر اس کے ہاتھ سے عنان صبر چھوٹ جائے گی اور وہ محبوب سے علیحدگی اختیار کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔[4]

کشاف تنقیدی اصطلاحات میں لکھا ہے:

> اور ان (واسوخت) کا مضمون عموماً یہ ہوتا ہے کہ پہلے اپنے عشق کا اظہار، اس کے بعد معشوق کا سراپا، اس کی بیوفائیاں، پھر اس سے روٹھ کر اسے یہ باور کرانا کہ ہم کسی اور معشوق پر عاشق ہو گئے۔ اس فرضی معشوق کے حسن و جمال کی تعریف کر کے معشوق کو جلانا، چھیڑنا، جلی کٹی سنانا اور یوں اس کا غرور توڑ کر پھر ملاپ کر لینا۔[5]

کچھ ناقدین کا خیال ہے کہ "واسوخت" میں دکھاوا اور بناوٹ کا عنصر نمایاں ہے۔ اس لیے یہ صنف قابل توجہ نہیں ہے۔ لیکن یہ بات درست نہیں ہے کیونکہ ہم نے بارہا یہ چیز دیکھی کہ جب کبھی پرانے دوست مل بیٹھتے ہیں تو جان بوجھ کر انجان بن جاتے ہیں۔ ایک دوسرے پر تیر و نشتر چلاتے ہیں تاکہ محفل کا رنگ دوبالا ہو۔

واسوخت میں اس انسانی جذبے کی ترجمانی کی جاتی ہے۔ عشق ایک فطری جذبہ ہے۔ جب دو چاہنے والے خلوت میں محو گفتگو ہوں تو ان میں آپس میں چھیڑ چھاڑ ہونا فطری بات ہے، اس سے کسی طرح مفر نہیں۔ ان کا آپس میں شکوے شکایت سے کام لینا، تجاہل عارفانہ سے کام لینا اپنی مطلب براری کے لیے ڈرانا دھمکانا اور کبھی اپنی محبت کا واسطہ دے کر مخالف فریق کو راہ راست پر لانا بھی فطرت کے عین مطابق ہے۔[6]

واسوخت نگاروں نے اس صنف کے ذریعے اپنے محبوب سے نوک جھوک کی ہے اور اسے یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ اسے عاشق کا دل دکھانے اور اس پر بے جا ظلم و ستم کرنے کا کوئی حق نہیں ہے بلکہ اسے عاشق کی دلی کیفیات کی قدر کرتے ہوئے اس سے محبت کرنی چاہیے۔

"واسوخت" ایک موضوعاتی صنف سخن ہے اور اس کا موضوع بتدریج پھلتا پھولتا رہتا ہے۔ "واسوخت" نگاروں نے اپنے کلام میں اس کے بعض اجزاء کا تذکرہ کیا ہے جس سے اس کی ہیئت کا فکری خاکہ قاری کے ذہن میں اُبھر آتا ہے۔ یہ بات باعث تعجب ہے کہ ہمارے محققین نے "واسوخت" کا بانی اہل ایران کو قرار دیا ہے لیکن فارسی شاعری کی مباحث میں "واسوخت" کا ذکر کہیں بھی دکھائی نہیں دیتا۔ البتہ ہمارے اُدبا ء کا خیال ہے کہ دوسری کئی اصناف کی طرح "واسوخت" بھی اردو میں فارسی سے آئی ہے۔ اس سلسلے میں وحشی یزدی کا نام لیا جاتا ہے۔ بقول جمیل جالبی:

> سودا نے وحشی یزدی کی ترکیب بند کا ایک شعر اپنی ترکیب بند میں، جسے کلیات سودا میں واسوخت کا نام دیا گیا ہے، استعمال کیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ اس قسم کی شاعری کا بھی فارسی روایت سے تعلق ہے اور سودا نے وحشی یزدی ہی کے موضوع کو اپنے انداز میں برتا ہے۔[7]

در گا پرشاد نادرؔ نے اس حوالے سے مزید لکھا ہے:

> یہ ڈھنگ فارسی زبان میں وحشی نے اختراع کیا ہے۔ مگر اردو والوں نے اس کو وہ رونق بخشی کہ بیان نہیں ہو سکتی۔[8]

مندرجہ بالا حوالہ جات سے معلوم ہوتا ہے کہ وحشی یزدی "واسوخت" کا بانی ہے۔ ڈاکٹر انور سدید رقم کرتے ہیں:

اردو میں ''واسوخت'' فارسی شاعری سے آیا ہے اور اس کا موجد وحشی یزدی خیال کیا جاتا ہے۔[9]

عبد السلام ندوی ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ایران کے قدیم شعراء نے جب معاملہ بندی میں کمال حاصل کیا تو غزل کے اشعار ان کے اظہار کے لیے ناکافی ہو گئے۔ اس مرحلے پر وحشی یزدی جو معاملہ بندی شعراء میں قد آور مقام رکھتا تھا نے ''واسوخت'' ایجاد کیا اور پھر اردو شعراء نے بھی اس نمونے کو سامنے رکھتے ہوئے واسوخت نگاری کی۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اردو کا پہلا واسوخت نگار کون ہے؟ اس بارے میں محمد حسین آزاد نے اپنی کتاب ''آب حیات'' میں لکھا ہے کہ اہل تحقیق نے فغانی یا وحشی کو فارسی اور اردو میں میر تقی میر کو ''واسوخت'' کا مؤجد قرار دیا ہے۔[10] آزاد کی پیروی میں دیگر تذکرہ نگاروں نے بھی میر کو واسوخت کا بانی تسلیم کیا۔ ''گل رعنا'' کے مصنف نے بھی تحریر کیا ہے کہ سب سے پہلے واسوخت میں میر تقی میر نے طبع آزمائی کی ہے۔ اسی طرح رام بابو سکسینہ نے بھی میر کو اردو واسوخت کا مؤجد تسلیم کیا۔ لیکن بد قسمتی سے ان تذکرہ نگاروں کے سامنے دیوان آبرو نہ تھا۔ انجمن ترقی اردو پاکستان کے کتب خانہ میں محفوظ دیوان آبرو کے قلمی نسخہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی کتابت 1144ھ کو مکمل ہوئی اور اس کے دو سال بعد شاہ مبارک آبرو کا انتقال ہوا۔ اس قلمی دیوان میں آٹھ بند کا ایک واسوخت موجود ہے۔ لہٰذا اس ثبوت کے ہوتے ہوئے میر کو واسوخت کا بانی تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ شمیم متھراوی کے خیال میں:

> میر نے واسوخت میں چند ضروری تبدیلیاں کیں اور واسوخت کے مضمون کو وسعت دینے کی کوشش کی۔ غالباً سوداؔ، تاباں اور حاتم کے واسوخت بھی میر سے پہلے ہی لکھے گئے۔ لہٰذا میر واسوخت کے مؤجد کیسے ہو سکتے ہیں۔[11]

اب یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ ''واسوخت'' فارسی ادب کی پیداوار ہے اور اس کے مؤجد وحشی یزدی ہیں۔ فارسی سے اردو میں آئی اور اردو میں اس کے مؤجد شاہ مبارک آبرو ہیں۔ یہاں چند اہم شعراء کے ''واسوخت'' بطور نمونہ پیش کیے جا رہے ہیں۔ شاہ مبارک آبروؔ کا اصل نام شاہ نجم الدین اور تخلص آبروؔ تھا۔ انہیں اردو کا پہلا واسوخت نگار ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ ان کے عہد میں واسوخت کے مضامین مثمن میں نظم کیے جاتے ہیں۔ اس لیے آبرو نے مثمن میں ہی واسوخت رقم کیے۔ ایک بند بطور نمونہ ملاحظہ کیجیے:

روز اوّل کہ تیرا کوئی خریدار نہ تھا
یہ تیرا چرچہ و یہ شور یہ بازار نہ تھا
کسی کو زلف سے تیری یہ سروکار نہ تھا
تیری آنکھوں کے کوئی شوق میں بیمار نہ تھا
تجھ کو یہ خوبی و یہ حسن یہ دیدار نہ تھا
کسی کے دل میں اے یار تیرا پیار نہ تھا
اک ہمیں تھے کہ کبھی تجھ پہ نظر کرتے تھے
گاہے گاہے ترے کوچے میں گزر کرتے تھے

اس بند میں آبرو نے اپنے محبوب کو ماضی یاد دلانے کی کوشش کی ہے اور بتایا ہے کہ ایک وقت تھا جب ترے اس حسن کا کوئی خریدار نہ تھا۔ میں نے تجھ سے محبت کی اور تری زلف کا اسیر ہوا اور پھر تجھے حاصل کرنے کے لیے تیرے گھر کے چکر لگائے اور تجھے عزت بخشی اس پر تو بھی مجھ پر مہربان ہوا۔ میں ملاقات کے لیے آتا تھا تو تو خوشی سے پھولا نہیں سماتا تھا اور آج تو ہمیں اور ہماری محبت کو بھول گیا ہے۔

اب وہ اخلاق محبت کی طرح بھول گئے
غیر سیں مل کے مروت کی طرح بھول گئے

چھپ کے ملنے کی وہ خلوت کی طرح بھول گئے
جو ہمیشہ تھی وہ صحبت کی طرح بھول گئے
مہربانی و مودّت کی طرح بھول گئے
پیار کی، شوق کی، اُلفت کی طرح بھول گئے
وہ جو اخلاص تھا اُوس کی کہیں اب بُو ہی نہیں
اب وہ انکھیاں تری اے وہ ابرو ہی نہیں

آبروؔ اپنے واسوخت کو جدائی کی کیفیات، محبوب کے جور و ستم، بے اعتنائی و بے مروّتی پر ہی ختم کر دیتا ہے۔ اس کے ہاں محبوب ثانی کا تصور پیدا نہیں ہوتا جس کے حسن کے پیکر کو لفظوں کا پہناوا پہنا کر پہلے محبوب کو تنگ کیا جاتا ہے اور احساس دلایا جاتا ہے کہ اسے ایسا رویہ اختیار نہیں کرنا چاہیے۔

مرزا محمد رفیع سوداؔ نے بھی "واسوخت" کے لیے مثمن کی ہیئت کا انتخاب کیا۔ سوداؔ نے پہلے سلیمان قلی خان کی شاگردی اختیار کی اور بعد میں شاہ حاتم سے استفادہ کیا۔ سوداؔ نے مثمن کا آخری شعر فارسی میں کہا۔ اس دور میں "واسوخت" لکھنے کا طریقہ کار یہی تھا۔ سوداؔ واسوخت میں معشوق کو اس کے انجام سے ڈراتا ہے اور بتاتا ہے کہ اس سے پہلے بھی خوبصورت لوگ اس دنیا میں آکر جا چکے ہیں، چنانچہ اسے اپنے عارضی حسن اور جوانی پر اِترانے کی بجائے اپنے عاشق کی خبر لینی چاہیے۔ بطور نمونہ ایک بند پیش خدمت ہے:

کاش کہ تجھ سے مرے مہر کے رشتے ٹوٹیں
تب تو اے یار جلے دل کے پھپھولے پھوٹیں
غیر سے مل کے کبھو ہم کو نہ پوچھو جھوٹیں
ہم ترستے ہی رہیں غیر مزے یوں لوٹیں
کب تلک زہر کے گھونٹوں کو بھلا ہم گھوٹیں
مار ہی ڈالو بلا سے کہ بلا سے چھوٹیں
ایں قدر زندگی خویش مراد شوار است
گر تو ناحق یکشی حق تو بر من یار ست

سوداؔ نے اس بند میں محبوب کو جلی کٹی سناتے ہوئے کہا ہے کہ تیرے اور مرے درمیان محبت کا جو رشتہ قائم ہے یہ اگر ٹوٹ جائے تو شاید تجھے دل کے ٹوٹنے کا احساس ہو، تو غیروں سے ملتا ہے اور ہم تیری ملاقات کو ترستے ہیں اور جدائی کا زہر پینے پر مجبور ہیں۔ اس سے تو بہتر کہ تو ہمیں مار ہی ڈالے۔ لیکن سوداؔ کے ہاں یہ دھمکی زیادہ دیر تک قائم نہیں رہتی اور آخر میں کہتا ہے کہ گو میری زندگی تیری بے وفائیوں کی وجہ سے بہت دشوار ہے لیکن پھر بھی میں کہتا ہوں کہ تو میرا یار ہے اس لیے ہمیں بھی پیار سے دیکھ لے۔

میر تقی میر:

محمد حسین آزاد نے میرؔ کے واسوخت کے بارے میں کہا ہے کہ اردو واسوخت میں سینکڑوں شعراء نے طبع آزمائی کی ہے لیکن جو انداز بیان میر کا ہے اس کا جواب نہیں۔ میر تقی میر کے واسوخت کی تعداد کے بارے میں شمیم صبائی متھراولی لکھتے ہیں:

آب حیات میں آزاد نے میر کے صرف دو واسوخت کا ہی ذکر کیا ہے۔ ان کے الفاظ میں "واسوخت دو ہیں اور کچھ شک نہیں کہ لاجواب ہیں" مگر ہمارے سامنے کلیات میر مطبوعہ 1226ھ (1811ء) ہے، جس میں ان کے چار واسوخت ہیں۔[12]

میرؔ نے جہاں واسوخت کو خیالات اور انداز بیان دیا وہیں میر نے واسوخت کو مثمن سے مسدس کی صورت بھی عطاء کی ہے۔ میر نے اپنے واسوخت میں محبوب کو خوب دھمکیاں دی ہیں اور اسے جی بھر کر جلایا ہے۔ اپنے واسوخت (اس کے ستائیس بند ہیں) میں معشوق سے کہتے ہیں کہ ترے عشق نے مجھے بدنامی کے سوا کچھ نہیں دیا۔ ہم نے تجھ سے محبت کر کے غلطی کی کیونکہ ہم نے صرف تمہیں چاہا اور تم نے ہم سے بے وفائی کی اور اب ہم نے بھی فیصلہ کیا ہے:

اور مہ پارہ بھی اس شہر میں مشہور ہے اب
اس کی محبوبی و خوبی ہی کا مذکور ہے اب
دیکھنا کچھ ہو اس کا مجھے منظور ہے اب
صرف اس پر کروں گا اپنا جو مقدور ہے اب
اوس کنے ضد سے تری شام و سحر جاؤں گا
گھر سے جس دم اٹھوں گا اس کے ہی گھر جاؤں گا[13]

میرؔ نے اپنے معشوق کو جلاتے ہوئے کہا ہے کہ وہ اب تیری محبت سے باز آجائے گا اور سارا وقت اپنے دوسرے محبوب کے ساتھ گزارے گا اور تیرے ناز نخرے نہیں اُٹھائے گا۔ میر مزید کہتا ہے کہ جس طرح میں نے تجھے دلربائی کے انداز و اطوار سکھائے تھے اب اپنے محبوب ثانی کو سکھاؤں گا جس سے وہ بھی فن معشوقی میں تاک ہو جائے گا:

فن معشوقی میں تیار کروں گا اس کو
شانہ و آئینے سے یار کروں گا اس کو
حسن سے اس کے خبر دار کروں گا اس کو
ضد سے تیری بہت پیار کروں گا اس کو
فرش رہ دیدہ نمناک کروں گا واں کے
پلکوں سے خار و خسک پاک کروں گا واں کے

میرؔ کا خیال ہے کہ جب میں محبوب ثانی کے ساتھ تعلقات بڑھاؤں گا تو میرا محبوب یہ برداشت نہیں کر سکے گا اور وہ خون کے آنسو روئے گا۔ لہٰذا بہتر ہے کہ محبوب ابھی عاشق کو پہچان لے اور اس سے بے وفائی نہ کرے۔ اگر وہ آج بھی میری طرف مائل بہ کرم ہو جائے تو مجھے کوئی دکھ نہ رہے اور میں دل و جان سے اس پر ہی نثار رہوں گا۔

خواجہ حیدر علی آتش (1764ء تا 1846ء)

لکھنوی شاعری میں ان کو ایک اہم مقام حاصل ہے۔ مصحفی کا شاگرد ہونے کی وجہ سے دلی کی شاعری کا خلوص اور سچائی کی کیفیات بھی موجود ہیں۔ وہیں لکھنؤ کی شاعری کی ظاہری کانٹ چھانٹ اور زبان کی سجاوٹ بناوٹ بھی نمایاں ہے۔ گویا وہ دونوں دبستانوں کے نمائندہ ہیں۔ آتش کے دور میں لکھنؤ میں واسوخت لکھنا شعراء کا من پسند شغل تھا۔ اس لیے انہوں نے بھی اس طرف دھیان دیا۔ شمیم صبائی متھراوی نے لکھا

ہے 1260ھ بمطابق 1845ء میں "تذکرہ گلدستہ نازنیناں" مکمل ہوا۔ اس میں آتش کا 26 بند کا واسوخت موجود ہے۔ اس میں آتش اپنے محبوب سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ جب تمہارا کوئی یار نہ تھا تو میں تھا اور اگر کبھی میں تم سے ملاقات نہیں کرتا تھا تو تو مجھے بلوالیا کرتا تھا۔ منتیں مرادیں مانگا کرتا تھا۔ مثلاً:

روشنی مسجدوں میں جا کے کیا کرتے تھے
چلّے درگاہوں میں دن رات بندھا کرتے تھے

حیدر علی آگے لکھتے ہیں کہ پھر تجھے اے محبوب اپنے پرائے کی تمیز نہ رہی اور تم نے ہمیں چھوڑ کر رقیبوں سے راہ ورسم بڑھا لیے۔ جب محبوب کو اپنی غلطی کا احساس نہیں ہوا اور وہ عاشق کی طرف راغب نہیں ہوا تو آتش کو کہنا پڑا:

جو خوشی خاطر نازک کی نہیں اس کا غم
کھایئے ترک محبت کی جو کھاتے ہو قسم
رہ نہیں سکتے کہ بے شغل یہی کہتے ہیں ہم
ڈھونڈ لیں گے کوئی زیبا صنم عیسیٰ دم[14]
عشق بازی کا نہ بھولیں گے مزا یاد رہے
دل لگا لیں گے فرنگی محل آباد رہے

بلکہ یہاں تک کہہ دیا۔ ملاحظہ ہو:

تم کو غیروں کی مدارت مبارک ہووے
ہم کو جس سے ہے ملاقات مبارک ہووے[15]

آتش اپنے محبوب اول کو یہ تمام جلی کٹی صرف اس لیے سنا رہے ہیں کہ وہ ان کی طرف متوجہ ہو اور وہ رقیبوں کا در چھوڑ کر آتش کی طرف لوٹ آئے، آتش دل وجان سے آج بھی اسے ہی چاہتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

غیر معشوق کا نکلا ہے زباں سے جو نام
چھیڑنے کے لیے صاحب کے فقط یہ تھا کلام
حرف حق کہہ کے یہ واسوخت کو کرتا ہے تمام
مت برا مانیو اس بات کا آتش ہے غلام
دوستو غیر سے واقعہ جو منظور بھی ہو
آنکھ اٹھا کر نہ کبھو دیکھیں اگر حور بھی ہو[16]

مؤمن خان مؤمنؔ (1800ء تا 1850ء)

مؤمن نے کم عمری میں شاعری شروع کی۔ غالب کے ہم عصر تھے۔ ان کے ہاں تخیل کی بلندی اور مضمون آفرینی کے ساتھ ساتھ کیفیات عشق کے اظہار کے لیے نئی تراکیب اور جدت پسندی موجود ہے۔ مؤمن کی شاعری داخلیت، سادگی، نزاکت، لطافت وغیرہ کا رنگ لیے ہوئے ہے۔ مؤمن کی واسوخت کو دیکھیں تو وہ واسوخت کے بڑے دلدادہ دکھائی دیتے ہیں۔ مؤمن نے اپنے ایک واسوخت میں فارسی شاعر وحشی یزدی کے مصرعہ "لطف کن لطف کہ ایں بار چوں رفتم رفتم" کی تضمین کو عمدگی سے استعمال کیا ہے۔ بطور نمونہ ایک بند دیکھئے:

جبکہ جی بیٹھ گیا ناز اُٹھانا معلوم
اُٹھ گیا دل تو سماجت سے بٹھانا معلوم
آ بنی جان پہ جس دم تو بچانا معلوم
پھر گئی تجھ سے طبیعت تو پھر آنا معلوم
لطف کن لطف کہ ایں بار چوں رفتم رفتم [17]

مؤمن نے مختلف ہیئتوں میں واسوخت لکھے۔ وہ واسوخت کے مضامین سے دلچسپی رکھتے تھے۔ اس لیے ان کی شاعری میں واسوخت کا سا انداز دکھائی دیتا ہے۔ انہوں نے ایک غزل آتش کی طرح واسوخت کے انداز میں لکھی جس کا مطلع یہ ہے:

اب اور سے لو لگائیں گے ہم
چوں شمع تجھے جلائیں گے ہم [18]

زیر نظر مضمون سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ "واسوخت" کا مؤجد فارسی شاعر وحشی یزدی کو قرار دیا جاتا ہے۔ اردو زبان کے کلاسیکی عہد کے سبھی شعراء نے واسوخت لکھے ہیں جن میں سے چند شعراء کے واسوخت کا مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ عبدالحئ تاباں، میر حسن، شیخ جرات، فراق لکھنوی، نسیم دہلوی، امانت لکھنوی، جوش، امیر مینائی، مرزا قلق، شیفتہ کشوری وغیرہ درجنوں شعراء نے واسوخت لکھے ہیں۔ آج کے شعراء بھی واسوخت کو دیگر اصناف شاعری سے ہم آہنگ کر کے جدید اردو شاعری میں نئے رنگوں کا اضافہ کر سکتے ہیں۔

حوالہ جات وحواشی

1 اسد اللہ خان، غالب، مرزا، **پنج آہنگ**، (لاہور: پنجاب یونیورسٹی، 1969ء)، ص53-

2 عبد اللہ، محمد، خان، خویشگی، **فرہنگ عامرہ**، (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، طبع دوم، 2007ء)، ص673-

3 پیارے لعل، منشی، **غیاث اللغات**، (کانپور: مطبوعہ ہندو پریس، س ن)، ص484-

4 رام بابو سکسینہ، **تاریخ ادب اردو** (مترجم مرزا عسکری)، (لکھنؤ: مطبع نول کشور، طبع سوم، س ن)، ص14-

5 ابو الاعجاز حفیظ صدیقی، **کشاف تنقیدی اصطلاحات**، (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، 1998ء)، ص207-

6 شمیم صبائی متھراوی، **اردو واسوخت**، (کراچی: سیماب اکادمی پاکستان رجسٹرڈ، 1993ء)، ص34-

7 جمیل جالبی، ڈاکٹر، **پیش لفظ، مشمولہ اردو واسوخت**، شمیم صبائی متھراوی، (کراچی: سیماب اکادمی پاکستان 1993ء)، ص8-

8 درگا پرشاد، نادرؔ، **خزینہ العلوم کی متعلقات المنظوم**، (لاہور: مطبع مفید عام، 1879ء)، ص76-

9 انور سدید، ڈاکٹر، **اردو ادب کی مختصر تاریخ**، (لاہور: عزیز بک ڈپو، طبع پنجم 2006ء)، ص203-

10 محمد حسین، آزاد، **آب حیات**، (لاہور: مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز، 1954ء)، ص107-

11 شمیم صبائی متھراوی، **اردو واسوخت**، (کراچی: سیماب اکادمی پاکستان رجسٹرڈ، 1993ء)، ص26-

12 ایضاً، ص43-

13 میر تقی میر، **کلیات میر**، (پاکستان: انجمن ترقی اردو، 1256ھ)، ص757-

14 شمیم صبائی متھراوی، **اردو واسوخت**، (کراچی: سیماب اکادمی پاکستان رجسٹرڈ، 1993ء)، ص61-

15 ایضاً، ص62-

16 ایضاً، ص63-

17 ایضاً، ص87-

18 ایضاً، ص87-